ازالہ وسد ضرر کے قرآنی تصور کا تفسیری جائزہ

محمد یونس شاہ*

An Exagical Overview of the *Qur'ānic* Concept of the Injuria Remidium

Abstract

Relief and facilitation after hardship and suffering is one the central and core injunctions and teachings of *Qur'ān*. It also stresses the precautionary steps to be taken for the blockage and prevention of harms and hardships along with some verses that how hardship should be deleted or minimized in severe and cronic situation. The above concept leads the formation and coinage of the juristic maxims of the redemption and remedy of harm or Injuriarmedium. Contrary to penetrated the Islamic Jurisprudence this short article peruses the *Qur'ānic* verses and some exegetical writings made by the earlier commentators of *Qur'ān* Regarding the subject matter.

Keywords: *Principle of Islamic Jurisprudence; 'Uṣūl al-Fiqh Tafsīr; Injuria Remidium.*

قرآن کریم احکام شرعیہ کی ابتدائی اساس ہے جو ان کی اصل ہیئت، نوعیت اور ان کی اصلاحی اور تمدنی پہلوؤں کا تعین کرتا ہے اس لیے احکام شرعیہ کو قرآن کریم کی نصوص کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔ قرآن کریم اللہ کی ذات کو سراپا رحمت اور دین اسلام کو راہ سہولت قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے جہاں اللہ کی ذات مخلوق کے لیے رحمت ہے وہاں اس کا نازل کردہ دین اسلام ان کے لئے ازالہ ضرر اور رفع حرج کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾[1] یعنی ﴿تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے﴾۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: ﴿رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾[2]۔ یعنی ﴿تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے﴾۔

اس کے علاوہ ایک اور مقام میں اس طرح ذکر ہوا ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[3] یعنی ﴿اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے﴾۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شرعی حکم میں تخفیف یا نرمی کا حکم دیتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کار فرما ہوتی ہے اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾[4] یعنی ﴿یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے﴾۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت انسان کے لیے صرف شرعی احکام تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر مشکل وقت میں آسانیاں اور سہولتیں پیدا کرنا یعنی رفع ضرر اور احکام شرعیہ میں آسانی پیدا کرنا بھی اسی رحمت کی بنیاد پر ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾[5] یعنی ﴿اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمھارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے﴾۔

امام بغویؒ (م ۵۱۰ھ)[6] نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شرعی احکام میں سہولت و نرمی کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: یسھل علیکم فی احکام الشرع[7] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں شرعی احکام میں سہولت و نرمی عطا کرتا ہے۔

---

* پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اسلامیات یونیورسٹی آف پشاور

شیخ محمود آلوسی[۸] (م ۱۲۷۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے احکام شرعیہ میں سہولت اور نرمی کو ازالہ ضرر ہی کی بنیاد پر تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "عموم التخفیف فی الشریعة، بناء علی ضعف الانسان امام رغباته وامام مغریات الحیاة باالرحمة والیسر ورفع المشقة وازالة الضرر"۔[۹] یعنی شرعی احکام میں تخفیف، آسانیاں انسان کی اپنی نفسانی خواہشات کے مقابلہ میں کمزوری کی وجہ سے دفع مشقت اور ازالہ ضرر کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو دی گئی ہیں۔

دنیا میں لوگوں کو جو بھی تکلیف مصیبت، نقصان، ضرر، مرض اور مشقت وغیرہ پہنچتی ہے حب اللہ تعالی ان کا ازالہ کرتا ہے تو یہ اس کی رحمت وفضل کا نتیجہ ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ﴾[۱۰] یعنی ﴿اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کو پہنچنے والی کسی تکلیف کے بعد ہم ان کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں﴾۔

ارزوئے شرع احکام میں تخفیف، دنیاوی رغبتوں اور دھوکوں کے مقابلے میں انسان کے ضعف وکمزوری کو مد نظر رکھ کر کیا گیا ہے تاکہ اس کے حق میں رحمت، آسانی، رفع مشقت اور ازالہ ضرر متحقق ہوسکے۔ قرآن کریم ہر نقصان، ضرر اور مشقت کے ازالہ کو اپنی رحمت سے تفسیر کرتا ہے چنانچہ اسی طرح قرآن کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ﴾۔ یعنی ﴿اللہ وہ ذات ہے جو خشک سالی کے بعد اس وقت بارش برساتا ہے جب لوگ اس سے ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور یوں وہ اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے﴾۔ اللہ کے پیغمبروں نے بھی ازالہ ضرر کو رحمت خداوندی قرار دیا ہے وہ اللہ سے دفع ضرر کا سوال اس لئے کرتے ہیں کہ ازالہ ضرر اس کی رحمتوں کا لازمی جز ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ التجا کی تھی۔ ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْنَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾۔[۱۱] یعنی ﴿اور ایوب کو دیکھو، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے﴾۔

انبیاء کرام کا طریقہ یہی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام مرض کو اپنی طرف اور شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے فرماتے ہیں۔ ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾[۱۲] یعنی ﴿اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے﴾۔

بہر حال رحمت خداوندی ازالہ ضرر وامراض کا تقاضا کرتی ہے اور اسی بنا پر مصیبت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی گئی۔ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾[۱۳] یعنی ﴿تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو﴾۔

رحمت الٰہی کا مفہوم وتصور انتہائی وسیع ہے اور کوئی انسان بھی کسی بھی وقت اور لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیاز ومستغنی نہیں ہوسکتا ہے، جب بھی انسانوں کو کسی معاملہ میں ضرر، تکلیف، مصیبت، تکلیف اور مشقت محسوس ہو تو ان میں آسانی اور سہولت پیدا کرنے کے لیے ایسے متبادل احکام دیے گئے جن سے ضرر، مشقت اور مصیبت رفع کردی گئی۔ شرعی احکام میں سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے سلسلے میں شریعت اسلامی کا قاعدہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ سہولت، یسر اور عدم ضرر سے عبارت ہے۔ اور اگر کہیں کسی حکم شرعی میں سختی اور مشقت موجود ہو تو دائمی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی ہوگی۔ اس ضمن میں قرآن کریم ہر سختی وتکلیف کے بعد میں آسانی کا تصور پیش کرتا ہے۔ ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾[۱۴] یعنی ﴿بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے﴾۔ یہی آیت اس فقہی قاعدے کے لیے بطور اساس کام کرتی ہے۔ المشقة تجلب التیسیر[۱۵] یعنی مشقت آسانی اور سہولت لاتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[۱۶] یعنی ﴿اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی

چاہتا ہے اور تمہیں تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا﴾۔ یسر سے مراد وہ عمل ہے جس میں جہد نفس نہیں ہوتا اور جس میں ایسی مشقت اور سختی نہ ہو جو عام انسان برداشت نہ کر سکتا ہو، اور عسر کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جہد نفس زیادہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی مشقت اور تکلیف ہو جو کہ عام انسان برداشت نہیں کر سکتا ہو اور جس میں جسم کے لئے ضرر اور تکلیف و مصیبت ہو۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام ابو بکر جصاصؒ (۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

> یہ آیت کریمہ اس چیز میں ایک مستقل اصل ہے کہ ہر وہ حکم جو انسان کو نقصان وضرر پہنچائے اسے مشقت میں ڈالے اور اس کے واسطے بیماری یا بیماریکے زیادہ ہونے کا باعث بنے تو انسان ایسے حکم کا مکلف نہیں کیونکہ وہ حکم یسر آسانی کے خلاف ہے مثلا یہ کہ ایک آدمی حج کے لیے چلنے پر تو قدرت رکھتا ہے مگر زاد راہ اور سواری اس کے پاس نہیں تو یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس صورت میں حج کا مکلف نہیں کیونکہ ایسی صورت میں حج کا مکلف ٹھہرانا یسر کے خلاف ہے۔[۱۷]

اسی طرح رشید رضا مصریؒ[۱۸] (م ۱۹۳۵ء) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہے کہ:

وَالْآيَةُ تُشْعِرُ بِأَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَصُومَ إِذَا لَمْ يَلْحَقْهُ مَشَقَّةٌ أَوْ عُسْرٌ ؛ لِانْتِفَاءِ عِلَّةِ الرُّخْصَةِ، وَإِلَّا كَانَ الْأَفْضَلُ أَنْ يُفْطِرَ لِوُجُودِ عِلَّتِهَا، وَيَتَأَكَّدُ بِوُجُودِ مَصْلَحَةٍ أُخْرَى فِي الْفِطْرِ كَالْقُوَّةِ عَلَى الْجِهَادِ وَتَقَدَّمَ بَسْطُهُ ؛ ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ لَا يُرِيدُ إِعْنَاتَ النَّاسِ بِأَحْكَامِهِ وَإِنَّمَا يُرِيدُ الْيُسْرَ بِهِمْ وَخَيْرَهُمْ وَمَنْفَعَتَهُمْ، وَهَذَا أَصْلٌ فِي الدِّينِ يَرْجِعُ إِلَيْهِ غَيْرُهُ، وَمِنْهُ أَخَذُوا قَاعِدَةَ ((الْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ))۔[۱۹]

> یعنی یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر شخص مکلف مشقت اور تنگی سے دوچار نہیں ہو رہا ہو تو پھر اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہو گا۔ کیونکہ علت رخصت باقی نہیں رہا جب کہ وہ بصورت موجودگی علت رخصت روزہ نہ رکھنے کا مجاز ہو گا اسی پر یہ آیت جہاد کی صورت میں اجتماعی قوت کی لیے بھی روزہ نہ رکھنے کی تائید کرتی ہے۔ ان سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے احکام کی وجہ سے لوگوں کو مشقت میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ ان کے حق میں سہولت خیر اور نفع کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہی بات بنیادی حقیقت رکھتی ہے باقی تمام باتوں کا دار مدار اسی پر ہے۔ اس کی اساس پر فقہاء کرام نے المشقۃ تجلب التیسر کا قاعدہ کھڑا کیا ہے۔

اسلامی شریعت و قانون کا سب سے اعلی ماخذ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے رحمت وہدایت قرار دیا ہے اس لیے قرآن مجید میں انسانوں کے لیے جو بھی احکام و قوانین دے گئے ہیں وہ آسان اور قابل عمل ہونے کے ساتھ سراپا رحمت بھی ہیں اور ان احکام و قوانین پر عمل کرنا زندگی میں آسانی اور سہولت لاتا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَاء وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾[۲۰] ﴿اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مؤمنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے﴾۔

دین اسلام جملہ معاملات میں ازالہ ضرر اور رفع حرج کا تصور پیش کرتا ہے اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ

عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[۲۱] یعنی ﴿اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی﴾۔

امام ابن العربیؒ[۲۲] (م ۵۴۳ھ) نے مذکورہ آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

قَدْ كَانَتْ الشَّدَائِدُ وَالْعَزَائِمُ فِي الْأُمَمِ، فَأَعْطَى اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ مِنْ الْمُسَامَحَةِ وَاللِّينِ مَالَمْ يُعْطِ أَحَدًا قَبْلَهَا فِي حُرْمَةِ نَبِيِّهَا، وَرَحْمَةِ نَبِيِّهَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا، فَأَعْظَمُ حَرَجٍ رَفْعُ الْمُؤَاخَذَةِ بِمَا نُبْدِي فِي أَنْفُسِنَا وَنُخْفِيهِ، وَمَا يَقْتَرِنُ بِهِ مِنْ إصْرٍ وُضِعَ۔[۲۳]

سابقہ امتیں عزیمتوں اور مشکلات سے دوچار تھیں پس اللہ تعالی نے اس امت کے نبی کی خاطر اسے حکم میں تسامح اور نرمی سے نوازا۔ لہذا اس ضمن میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمیں ان افکار اور اس کے ساتھ ملحقہ بوجھ کے حرج سے بری الذمہ کیا جو ہم کبھی دل میں ظاہر اور کبھی چھپا کر رکھتے ہیں۔

اسی طرح محمود آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ:

عدم الحرج بأن جعل لهم من كل ذنب مخرجا بأن رخص لهم في المضايق وفتح عليهم باب التوبة وشرع لهم الكفارات في حقوقه والأروش والديات في حقوق العباد۔[۲۴]

عدم حرج کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہر قسم کے گناہ اور غلطی سے نکلنے کے طریقے بتائے ہیں اور ان کو مشقتوں اور تکلیفات میں رخصت دی ہے اور ان کے لیے تو بہ کا دروازہ کھولا ہے اور ان کے لئے اپنے حقوق میں کفارات اور حقوق العباد میں دیتوں کو جائز کیا ہے۔

دینی احکام کے بارے میں لوگوں پر کسی قسم کی سختی اور کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔ شریعت اسلامیہ کے قوانین ایسے ہیں جن میں آسانی اور سہولت ملحوظ رکھی گئی ہے نہ کہ تنگی اور ایسی دشواری کہ جو انسان کی برداشت سے باہر ہو اور اس کا مناسب حل موجود نہ ہو۔ اور اس پر انسان کے لیے عمل کرنا دشوار اور مشکل ہو۔ اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی چیز لازم اور ضروری نہیں کی ہے جو ان پر مشقت لائے مگر اس میں وسعت اور ان سے نکلنے کا طریقہ بنایا ہے تاکہ وہ کسی قسم کے ضرر و مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ قرآن کریم نے اس تصور کو ایک دوسرے مقام میں اس طرح واضح کر دیا ہے: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾[۲۵] یعنی ﴿اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا﴾۔

حرج کے معنی مشقت، تنگی اور سختی ہے دین اسلام کو یہ شرف و فضیلت حاصل ہے کہ اس میں شرعی احکام میں مشقت و سختی نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ میں مذکور حرج سے مراد حرج حسی یعنی جسمانی تکلیف جو کہ دین اسلام میں مرفوع ہے۔

ابن عاشور مالکیؒ[۲۶] (م ۱۳۹۳ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

فلم يكلفوا بالوضوء والاغتسال مع المرض والسفر اذا فقدوا الماء في السفر وعجزوا عن استعماله فى المرض،وكذلك نفى الحرج المعنوى لو منعوامن أداء الصلاة فى حال العجز عن استعمال الماء لضر، او لفقدانه فى السفر۔[۲۷]

ازالہ ضرر ہی کی بنا پر کسی کو پانی کے ساتھ وضو اور نہانے پر سفر کی حالت میں مجبور نہیں کیا گیا جب وہ پانی نہ پائے اور نہ بیماری کی صورت میں طہارت کے ساتھ مکلف کیا گیا، اور اسی طرح حرج معنوی یہ ہے کہ مکلف نہیں کیا گیا کہ اگر وضو اور غسل کی وجہ سے مرض میں زیادتی ہو رہی ہو اور مرض میں پانی کے استعمال سے عاجز ہو۔

عبداللہ بن عباسؓ (م۶۸ھ) نے حرج کے لغوی معنی ضیق یعنی تنگی اور سختی بیان کئے ہیں اسی طرح آپؓ سے کسی نے حرج کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کو بلایا اور اس سے حرج کے بارے میں پوچھا: ما الحرج فیکم: فقال: الحرجة من الشجر ما لا مخرج له، فقال ابن عباس: هو ذلك، الحرج ما لا مخرج له۔[۲۸] تمہاری اصطلاح میں حرج کس کو کہتے ہیں کہا حرج شجر سے ہے جس سے نکلنے کا راستہ نہ ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ اس طرح ہے جس سے کوئی خلاصی نہ ہو۔

ابن منظور الافریقی (۷۱۱ھ) کے مطابق لفظ حرج حرجۃ سے ماخوذ ہے اور حرج گھنے درختوں کے اس جھنڈ کو کہتے ہیں جن کی شاخیں آپس میں اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان میں سے کوئی گذر نہیں سکتا اور گذرنے والا وہاں پہنچ کر حیران و ششدر ہو جاتا ہے۔[۲۹]

امام شاطبیؒ[۳۰] (م۷۹۰ھ) نے حرج کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان کی ہیں: ما فیه مشقة فوق المعتاد۔[۳۱] جس دینی عمل میں حد سے زیادہ مشقت اور تکلیف ہو۔ اسی طرح مشقت کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاطبیؒ مزید لکھتے ہے کہ: عموماً ایسی تکلیف جو روزمرہ کے معمولات میں لاحق ہوتی ہے مشقت نہیں کہلاتی بلکہ اس سے بڑھ کر جو زائد تکلیف اٹھانا پڑے اسے مشقت کہتے ہیں، البتہ جن امور کو انجام دینا انسان کی طاقت سے باہر ہو تو ان اعمال کا اسے مکلف ٹھہرانا بھی مشقت کہلائے گا[۳۲]۔

حرج مرفوع کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: کل ما ادی الی مشقة زائدة فی البدن او النفس او المال، حالا او مآلا۔[۳۳] ہر وہ عمل جس میں کسی کے بدن کو یا اس کے مال و متاع کو شرعی حد سے زائد مشقت و تکلیف حال کے اعتبار سے یا انجام کے اعتبار سے اٹھانا ہو۔

شرعی احکام کی بجا آوری میں جب بھی مشکل اور تنگی آجاتی تو اس حکم کی ادائیگی میں تخفیف یا تبدیلی کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ﴾[۳۴] یعنی ﴿کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر، اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے﴾۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن العربیؒ (م۵۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ:

اس آیت کریمہ میں معذور افراد کے لیے شرعی احکام میں نرمی کا ذکر ہے جو بوڑھے اور عاجز ہیں جن میں بچے عورتیں اور پیدائشی لحاظ سے کم عقل مریض اور کمزور لوگ شامل ہیں۔ جن کو ان کے اعذار نے شرعی احکام کی بجا آوری سے معذور کر رکھا ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ شرعی احکام کی ادائیگی سے عاجز ہوں تو ان پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔[۳۵]

اسی بنا پر امام شاطبیؒ نے یقینی اور حقیقی حرج کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کے عمومی نقطہ نظر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ: "ان الادلة

علی رفع الحرج فی هذه الامة بلغت مبلغ القطع۔[۳۶] اس امت میں رفع حرج کے دلائل قطعی اور یقینی حد تک پہنچ چکے ہیں۔

اسلام نے نہ تو ہر مشقت و ضرر کو معتبر گردانا اور نہ ہی اضرار میں تخفیف و سہولت کو اس قدر عام کیا ہے کہ انسان جب چاہے اس کی راہیں نکال لے بلکہ ہر ایک کے لئے فقہ میں اصول و ضوابط مقرر اور حدود قیود متعین کی گئی ہیں۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی صاف ستھری گزرے، ان خیالات و جذبات پر قابو پانے کی صلاحیت اور ذاتی اغراض و مفاد اور نفسانی خواہشات کو دبانے کی ہمت و طاقت پیدا ہو زندگی میں یہ جوہر اسی وقت نمودار ہو سکتا ہے جب انسان کی حیوانی جبلت پر اخلاقی پابندیاں عائد ہوں اور ترک واختیار کے شرعی ضابطے مقرر ہوں، اس کے بغیر نہ انسان کی زندگی اچھی ہو سکتی ہے، اور نہ صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے پھر یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لیے احکام و قوانین مقرر کیے جائیں اور ان میں انسان کو معمولی مشقت بھی برداشت نہ کرنی پڑے اور جذبات و خواہشات کی حد بندی میں ہر جگہ تخفیف و سہولت ہو جہاں تک مشقت کا تعلق ہے انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے خالی نہیں حتی کہ خورد و نوش جیسے معمولات زندگی میں بھی مشقت پائی جاتی ہے۔ البتہ ایسی مشقت جس کو عادت میں داخل نہ کیا جاسکے یا جو انسان کے قیام و بقاء میں مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہو اس میں تخفیف کی راہیں نکالی جاتی ہیں فقہاء اسے غیر عادی مشقت کا نام دیتے ہیں۔[۳۷]

امام شاطبیؒ نے اس بات کی وضاحت اس طرح بیان کی ہے کہ:

> ان كان العمل يؤدي الدوامُ عليه إلى الانقطاع عنه، أو عن بعضه، أو إلى وقوع خلل في صاحبه، في نفسه أو ماله، أو حال من أحواله، فالمشقة هنا خارجة عن المعتاد، وإن لم يكن فيها شيء من ذلك في الغالب، فلا يعد في العادة مشقة۔[۳۸]
>
> اگر کوئی عمل دائمی طور پر سرانجام دینا مشکل ہو کہ ایسا کرنے سے بالاخر وہ عمل چھوٹ ہی جائے یا ناقص ہو جائے یا اس کو انجام دینے والے کی جان، مال یا اس کی حالت میں تغیر و خلل واقع ہو جائے۔ تو اس قسم کی مشقت خارج از عادت اور غیر معمولی مشقت قرار پائے گی جو مشقت ایسی نہ ہو وہ عادتاً مشقت نہیں سمجھی جائے گی۔

جو شرعی احکام ایسے ہوں جن پر ہمیشہ عمل کرنے سے بندے کا جانی و مالی ضرر و نقصان ہوتا ہو یا اس کی حالت میں تغیر پیدا ہو تو اس قسم کی مشقت تخفیف و سہولت کی طالب ہے اور جو احکام ایسے نہ ہوں وہ مشقت کے ذیل میں نہیں آئیں گے اور نہ ان میں تخفیف و سہولت کی گنجائش ہے۔[۳۹]

فقہاء کرام نے مشقت کو دو اقسام یعنی حقیقی اور وہمی مشقت میں تقسیم کیا ہے، حقیقی مشقت سے مراد ایسی مشقت ہے جو یا واقعی موجود ہو یا تجربہ اور مستند طبیب کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے ظن غالب ہو کہ واقعہ ہو جائے گی مثلاً ایک شخص سفر میں ہے تو وہ اپنے اپ کو مشقت میں تصور کرتے ہوئے روزہ چھوڑ سکتا ہے یا کوئی مریض ہے اور تجربہ کار اور مستند ڈاکٹر کی رائے کی مطابق اسے غالب گمان ہو کہ اگر اس نے روزہ رکھا تو اسے انتہائی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ حقیقی مشقت کی صورت میں شارع کی طرف سے دی گئی رخصت و سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز ہو گا۔[۴۰]

اس کے برعکس مشقتِ موہومہ یا وہمی مشقت کا مطلب یہ ہے کہ شارع نے جن اسباب اور علتوں کا اعتبار کر کے رخصت اور سہولت کی اجازت دی ہے وہ عادۃً تو موجود ہوں لیکن فی الحال نہ پائی جارہی ہوں تو ایسی صورت میں ان کا اعتبار نہ ہو گا اور نہ ان کی وجہ سے رخصت اور سہولت کی اجازت ہو گی جیسے کہ ایک شخص کو باری سے (ناغہ کر کے) بخار آتا ہے باری کے دن اس وقت تک رخصت کا مستحق نہ ہو گا جب تک بخار شروع نہ ہو جائے۔ اسی طرح عورتوں کے مخصوص دنوں کی جب تک ابتداء نہ ہو جائے وہ رخصت کی مستحق نہ قرار پائیں گی۔[۴۱]

اس قسم کی صورتوں میں عادۃ علت کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کا وقوع ضروری ہے، کیونکہ بسا اوقات عادت کے خلاف ہوتا رہتا ہے اور عادت بدلتی رہتی ہے اگر اسی کو مدار بنالیا جائے تو شرعی احکام میں نظم وضبط قائم نہیں رہ سکے گا جو کہ شریعت اسلامی کی اصل اساس ہے۔

شریعت اسلامی نے شرعی احکام میں مشقت کی وجہ سے تخفیف ورخصت پر بعض شرائط عائد کی ہیں تاکہ حیلہ جو اور آزاد طبع لوگ مشقت کی وجہ سے دی گئی سہولتوں اور رخصتوں کو بے محل اور بلاضرورت استعمال نہ کر سکیں ان میں چند اہم شرائط یہ ہیں:

۱۔ مشقت اور حرج کا وہیں اعتبار کیا جائے گا جہاں شارع کی طرف سے مشقت کے برعکس کوئی صریح حکم موجود نہ ہو لیکن جہاں مشقت کے تقاضے کے خلاف کوئی صراحت ہو وہاں مشقت کا اعتبار نہیں ہو گا۔ چنانچہ ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) لکھتے ہے کہ: "الْمَشَقَّةُ وَالْحَرَجُ، إنَّمَا يُعْتَبَرَانِ فِي مَوْضِعٍ لَا نَصَّ فِيهِ، وَأَمَّا مَعَ النَّصِّ بِخِلَافِهِ فَلَا"[۴۲] یعنی مشقت اور حرج وہاں معتبر ہے جہاں صریح حکم نہ ہو، اور اگر اس کے خلاف صریح حکم موجود ہو تو وہاں اس کا اعتبار نہیں۔

جنگ وخون ریزی بظاہر بہت بری چیز ہے اور اس میں خود اپنی ہلاکت کا بھی خوف ہے لیکن بعض حالات میں جنگ ایسی ناگزیر ہو جاتی ہے کہ اس کے بغیر نہ زندگی قائم رہ سکتی ہے نہ ضرر وشر کا ازالہ ہوتا ہے۔ ایسی صورتوں میں جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ لازم قرار دیا گیا ہے حالانکہ اس میں عظیم مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے، لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک بات کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور بہت ممکن ہے کہ ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے﴾۔[۴۳]

۲۔ مشقت میں انسان کی نفسانی خواہشات اور جذباتی میلانات کا اعتبار نہ ہو گا۔ کیونکہ نفسانی خواہشات عموماً برائی پر آمادہ کرتی ہیں اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾[۴۴] یعنی ﴿بے شک نفس انسانی برائی پر آمادہ کرنے والا ہے﴾۔

شریعت اسلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو ان کے خواہشات نفس کی اتباع اور پیروی سے نکال کر اسلامی احکام کے اتباع والے بنائیں اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ: "وضع الشريعة على أن تكون أهواء النفوس تابعة لمقصود الشارع فيها"[۴۵] یعنی شریعت اس لیے دی گئی ہے کہ بندوں کی نفسانی خواہش مقاصد شارع کے تابع ہو جائیں۔ اس چیز کے تابع ہو جائے جو شارع کا مقصود ہے۔

قرآن کریم کے تدریجی نزول میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہی حکمت کار فرما تھی کہ لوگوں کو اس کے احکام وقوانین پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔ قرآن کریم دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت ومصلحت بتدریج اس کا نزول ہوا ہے

یعنی جیسی جیسی ضرورتیں پیش آئیں اور جس قسم کے مصالح کی رعایت ناگزیر ہوئی ان کی مناسبت سے احکام کا نزول ہوتا رہا۔ اس طریق نزول سے ایک طرف حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف زندگی اور قانون میں باہمی ربط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔[۴۶]

اس بات کی تائید حضرت عائشہؓ (م۵۸ھ) کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: "پہلے مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے پھر جب لوگ اسلام پر قائم ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے جیسے کہ اگر شراب نہ پینے کا حکم پہلے نازل ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی نہ چھوڑیں اسی طرح اگر ابتداء میں ہی زنا کی ممانعت کا حکم نازل ہو جاتا تو لوگ اس کے چھوڑنے سے انکار کر دیتے"۔[۴۷]

شرعی احکام میں نسخ کے اصول کے ذریعے تقدیم و تاخیر اور تحقیق و تعمیم کی گنجائش رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی انسانوں کی فلاح وبہبود کی مصلحت کار فرما ہے اس ضمن میں آمدی[۴۸] (م۶۳۱ھ) بیان کرتے ہیں: جب زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا جواز معلوم ہو گیا تو یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی مصلحت کے مطابق کسی زمانہ میں کوئی حکم دے اور جب مصلحت بدل جائے تو اس سے منع فرمادے جس طرح ایک ڈاکٹر کسی وقت میں کسی مریض کے لیے کسی دوائی کا حکم دیتا ہے اور جب اختلاف مزاج کے وقت مصلحت بدل جاتی ہے تو اس دوا کے استعمال سے روک دیتا ہے۔ اگر زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا معاملہ نہ ہوتا تو احکام میں اختلاف کی صورتیں نہ پیدا ہوتیں اور جب زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا جواز موجود ہے تو نسخ کے ممتنع ہونے کی کوئی معنی نہیں ہیں۔[۴۹]

قاضی بیضاویؒ نے جواز نسخ کو ازالہ ضرر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> جواز نسخ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی سے بندوں کے مصالح اور ان کے نفوس کی تکمیل کے لیے احکام مقرر ہوئے اور آیتیں نازل ہوئیں اور یہ مصالح اشخاص اور زمان کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں جیسے معاش کے وسائل و ذرائع وغیرہ۔ بسا اوقات ایک زمانہ میں جو چیز نافع ہوتی ہے وہ دوسرے زمانہ میں مضر ہوتی ہے۔[۵۰]

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے احکامات کے بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس سے بھی معاشرہ سے رفع ضرر کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً بعض احکام میں صرف مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کی شکل وصورت متعین نہیں کی گئی ہے اور بعض میں صرف حدود اربعہ ذکر کیا گیا ہے اور شکل وصورت سے بحث نہیں ہے اسی طرح بہت سے احکام میں اصولی اور عمومی انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور جزئیات کی تشریح نہیں ہے اور بعض جگہ جزئیات کی تشریح کے باوجود موقع محل کی تعیین کی اجازت دی گئی ہے[۵۱]۔ اللہ تعالیٰ نے بعض وہ احکام نازل فرمائے ہیں جن میں ہر زمانہ و ہر مقام کی صلاحیت موجود ہے اور بعض وہ قواعد عامہ نازل کیے جن کے ذریعہ لوگوں کے ظروف، ان کے احوال اور ماحول کی مطابقت ممکن ہے۔[۵۲]

شریعت اسلامیہ نے کسی عمل میں انسان کو اس کا ذمہ دار اور قابل مواخذہ اس وقت گردانا جب یہ عمل اس کے اختیار و مرضی پر ہو اور غیر ارادی اور لاشعوری امور میں کسی بھی انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکلف اور ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ چنانچہ جب سورہ بقرہ کی یہ

آیت ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ﴾[۵۳] یعنی تم ظاہر کروگے اپنے دل کی بات یا چھپاؤ گے اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر یہ شاق اور مشکل گذری اس سلسلے میں سعید ابن مرجانہؒ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا انہوں نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارا مواخذہ اسی پر کیا تو ہم ضرور ہلاک ہو جائیں گے پھر اس کے بعد ابن عمر رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو بہہ گئے۔ کہتے ہیں میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس سے کہا اے ابن عباس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور انہوں یہی آیت تلاوت کی اور رونے لگے یہاں تک کہ اس کے آنسو بہنے لگے۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عبد اللہ بن عمر کی بخشش اور مغفرت فرمائیں بے شک اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اس پر خوف ہوا جیسا کہ عبد اللہ بن عمرؓ کو اس آیت پر ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائیں ﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ﴾۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کی وسوسوں پر مؤاخذہ کو منسوخ قرار دیا اور قول فعل قابل مواخذہ قرار دیا۔[۵۴]

اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا﴾[۵۵] یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتا۔

جاراللہ زمخشریؒ (م۵۳۸ھ) اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہے کہ: "لا یکلفھا إلا ما یتسع فیہ طوقہ ویتیسر علیہ دون مدی الطاقۃ والمجھود"[۵۶] یعنی اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت اور قوت برداشت سے زیادہ کوئی بوجھ نہیں ڈالتا اور احکام کی بجاآوری میں اس کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کرتا ہے۔

ابن العربیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت دین اسلام کے ایک بہت بڑے اصول و قاعدہ اور شریعت اسلامی کے اہم رکن کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ آسانی اور سہولت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> لَا یُکَلِّفُ اللَّہُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَھَا ھَذَا أَصْلٌ عَظِیمٌ فِي الدِّینِ، وَرُکْنٌ مِنْ أَرْکَانِ شَرِیعَۃِ الْمُسْلِمِینَ شَرَّفَنَا اللَّہُ سُبْحَانَہُ عَلَی الْأُمَمِ بِھَا، فَلَمْ یُحَمِّلْنَا إِصْرًا وَلَا کَلَّفَنَا فِي مَشَقَّۃٍ أَمْرًا[۵۷]۔ یہ دین میں ایک عظیم قاعدہ اور اصل ہے اور شریعت اسلامی کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیگر امتوں سے شرف بخشا ہے بس ہم پر کوئی ایسی مشقت اور تکلیف نہیں ڈالی جسے ہم برداشت نہ کر سکیں۔

مذکورہ آیت میں دل کی جن چھپی ہوئی چیزوں کی معافی مذکور ہے علماء کے نزدیک ان سے مراد وہ وساوس اور غیر ارادی و غیر اختیاری خیالات ہیں جو انسان کے دل میں بغیر ارادہ کے آجاتے ہیں بلکہ ان کے خلاف کا ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں۔ لیکن انسان اپنے قصد اور اختیار سے جو ارادے اور نیتیں اپنے دل میں جماتا رہتا ہے اور پھر اتفاق سے کچھ مواقع پیش آجانے کی بناء پر عمل نہیں کر سکتا قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہو گا[۵۸]۔

غیر ارادی طور پر جو خیالات اور وسوسے کسی انسان کے دل میں آجائیں اور پھر ان پر عمل نہ ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں کیونکہ دل کے خیالات وسوسے اور ارادے انسان کے اختیار سے باہر ہیں اور اگر ان پر احکام مرتب ہوتے تو امت

سخت تکلیف میں پڑ جاتی جو کہ رحمت خداوندی اور اس کی حکمت کے خلاف ہے۔[۵۹]

حساب و مواخذہ صرف ان افعال پر ہو گا جو اختیار وارادہ سے کیے جائیں جیسے ارادہ سے بولنا، ارادہ سے کسی کو مارنا، غیر ارادی اعمال جسے رعشہ سے بلا اختیار ہاتھ کی حرکت سے اگر کسی کو تکلیف پہنچ گئی تو اس کا مواخذہ نہیں ہو گا کیونکہ حساب و کتاب اور جزاء و سزا افعال اختیاریہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ افعال غیر اختیاریہ کا نہ انسان مکلف اور ان پر اس کو ثواب و عذاب ہوتا ہے۔[۶۰]

حکمت و دانائی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جسے اختیارات دئے جائیں اسی سے حساب لیا جائے کہ اس نے اپنے اختیارات کو کیسے استعمال کیا اور آزمائش صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اچھے عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی طاقت یا اختیار بھی موجود ہو اگر برائی پر قدرت حاصل نہ ہو تو پھر آزمائش کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی[۶۱] (م ۱۸۱۰ء) نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: میں کہتا ہوں کہ عزم پر بھی اگر مواخذہ ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ عزم عملی گناہ نہیں مگر قلبی گناہوں میں داخل ہے اور ہر گناہ کا مواخذہ ضروری ہے لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی کسی گناہ کا ارادہ کرے اور نہ کر پائے تو نہیں لکھا جاتا اور اگر کر لیتا ہے تو اتنا ہی لکھا جاتا ہے۔ پس عمل سے پہلے ارادہ گناہ خواہ محکم ہی ہو قابل مواخذہ نہیں، ہاں محاسبہ جدا چیز ہے وہ ضرور ہو گا"۔[۶۲]

قصد وارادہ کے پانچ مراتب ہیں ہاجس، خاطر، حدیث النفس، ھم اور عزم۔ ان میں سے پہلے چار معاف ہیں اور آخری عزم قابل مواخذہ ہے جمہور علماء اور فقہاء کا یہی موقف ہے۔[۶۳]

جو عزم و قصد قابل مواخذہ ہے اس سے آج کل کی اصطلاح میں اقدام معصیت مراد ہے اور اقدام فعل عزم اور قصد سے زیادہ ہوتا ہے۔[۶۴]

قدیم اور جدید علماء کرام کے نزدیک اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ معصیت کے قصد وارادہ پر مواخذہ ہو گا یا نہیں بعض علماء عزم و قصد معصیت کو قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ امام نوویؒ[۶۵] (م ۶۷۶ھ) نے امام مازریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قاضی ابو بکرؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر معصیت کا ارادہ دل میں پختہ ہو جائے تو اس پر مواخذہ ہو گا۔[۶۶]

قاضی عیاضؒ[۶۷] (م ۵۴۴ھ) نے بھی قاضی ابو بکرؒ کی تائید کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "کہ عامۃ السلف اور فقہاء و محدثین اور اکثر اہل علم کا مذہب وہی ہے جو قاضی ابو بکر کا ہے البتہ علماء کرام نے یہ تصریح کر دی ہے کہ جس عزم پر مواخذہ ہو گا اور اس کو بطور سیئہ لکھا جائے گا وہ صرف عزم ہے۔ اسی پر مواخذہ ہو گا۔ اس معصیت پر جس کا عزم کیا ہے مواخذہ نہ ہو گا کیونکہ معصیت کا تواتر تکاب ہی نہیں ہوا"۔[۶۸]

اس کے برعکس امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ امام مازریؒ عزم قلب پر مواخذہ کے قائل نہیں ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ قاضی ابو بکرؒ کا مسلک ہے جب کہ بہت سے فقہاء و محدثین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ امام مازریؒ اس حدیث نبوی ﷺ سے استدلال کرتے ہیں۔ "إِذَا هَمَّ عَبْدِی بِسَيِّئَةٍ فَلاَ تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَـيِّئَةً"[۶۹] یعنی جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو اگر اس نے وہی عمل کیا تو اس کی برائی لکھو۔

خود امام نوویؒ عزم قلب پر مواخذہ کے قائل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عزم قلب پر مؤاخذہ کا پایا جانا نصوص شرعیہ سے ثابت

ہے جیسے آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا﴾[۷] یعنی ﴿یاد رکھیں کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے﴾۔

شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۹۴۹ء) عزم و قصدِ معصیت پر مواخذہ کے قائل نہیں وہ لکھتے ہیں کہ: "میرے نزدیک عزم پر اس وقت تک کوئی مواخذہ نہیں جب تک اس کے مطابق عمل نہیں کرتا"۔[۷۱]

آپ کے نزدیک کسی شخص کا وہ عمل جو شرعی لحاظ سے قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے وہ عزم سے بڑھ کر ہے چنانچہ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہے: کہ وہ کوشش کرے، اسباب مہیا کرے اور جدوجہد میں لگا رہے اور یہ عزم سے آگے کا درجہ ہے۔[۷۲]

حواشی و حوالہ جات

---

[۱] القرآن الکریم، سورۃ الانعام، ۶: ۱۲

[۲] القرآن الکریم، سورۃ الانعام، ۶: ۱۴۷

[۳] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف، ۷: ۱۵۶

[۴] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۷۸

[۵] القرآن الکریم، سورۃ النساء، ۴: ۲۸

[۶] بغوی: آپ کا پورا نام حسین بن مسعود بن محمد، الفراء اور بغوی کے نام مشہور ہوئے۔ شافعی فقیہہ، محدث، مفسر، نسبت بغشور کے طرف ہے، جو خراسان اور ہراۃ کے درمیان ہے ۵۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ آپ کے تصانیف میں تفسیر میں "معالم التنزیل" حدیث میں "شرح السنۃ" اور فقہ میں "التہذیب" قابل ذکر ہیں۔[الزرکلی، خیر دین بن محمود (م ۱۳۹۴ھ). الاعلام. ط: ۲۰۰۲ء، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ۲/ ۲۶۹؛ یحی مراد. معجم تراجم الفقہاء. ص ۴۶]

[۷] بغوی، حسین بن محمود. معالم التنزیل المعروف بتفسیر البغوی. تحقیق: محمد عبد اللہ النمر. دار الطیبہ ریاض سعودی عرب، ۱/ ۵۱۱

[۸] آلوسی: آپ کا پورا نام محمود بن عبد اللہ، شہاب الدین، کنیت أبو الثناء الحسینی الألوسی ہے۔ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب اور لغوی عالم تھے۔ تعلق بغداد سے تھا۔ سلفی اعتقاد اور مجتہد تھے۔ ۱۲۷۰ھ کو انتقال ہوا۔ آپ کے علمی آثار میں سے روح المعانی تفسیر زیادہ مشہور و معروف ہے۔[عمر رضا کحالہ. معجم المؤلفین ۱۲/ ۱۷۵؛ الأعلام، ۸ /۵۳]

[۹] آلوسی، حسین بن محمود. روح المعانی. ط: ۱۴۱۵ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۵/ ۱۴، ۱۵

[۱۰] القرآن الکریم، سورۃ یونس: ۱۰: ۲۱

[۱۱] القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، ۲۱: ۷۳

[۱۲] القرآن الکریم، سورۃ الشعراء، ۲۶: ۸۰

[۱۳] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف، ۷: ۵۵

[۱۴] القرآن الکریم، سورۃ الشرح، ۹۴: ۶

[۱۵] سیوطی، عبد الرحمن بن أبی بکر. الأشباہ والنظائر. ط: ۱۹۸۳ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱/ ۳۳؛ ابن نجیم. الاشباہ والنظائر. ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱/ ۷۱

[۱۶] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۸۵

[۱۷] ابو بکر الجصاص، احمد بن علی الرازی (۳۷۰ھ). احکام القرآن. ط۱ :۱۹۹۴ء، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۲۷۷

[۱۸] رشید رضا مصری: آپ کا پورا نام محمد رشید بن علی رضا ہے حسینی النسل ہے آپ بغداد میں پیدا ہوئے بعد ازاں مصر منتقل ہوئے آپ نے طرابلس، شام اور مصر میں اپنی مذہبی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مفتی عبدہ کی شاگردی اختیار کی اور اس کے ساتھ ساتھ عوام کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا آپ کے علمی آثار میں تفسیر المنار قابل ذکر ہے۔ آپ (۱۳۵۳ھ /۱۹۳۵ء) مصر ہی میں انتقال کر گئے۔[الاعلام، ۲/ ۱۶۲]

[۱۹] رشید رضا مصری. تفسیر المنار. ط: دار المعرفۃ، مصر، ۲/ ۱۶۴

[۲۰] القرآن الکریم، سورۃ الاسراء، ۱۷: ۸۲

[۲۱] القرآن الکریم، سورۃ الحج، ۲۲: ۷۷

[۲۲] ابن العربی: نام محمد بن عبد اللہ بن محمد، کنیت ابو بکر اور ابن عربی کے نام سے مشہور معروف ہیں۔ مالکی فقہاء میں آپ کا رتبہ مجتہد کا تھا۔ آپ علمی اسفار کرنے کے بعد مراکش واپس آئے۔ اور یہی ۵۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی تصانیف میں سے عارضۃ الاحوذی شرح الترمذی اور احکام القرآن زیادہ مشہور ہیں۔ [الدیباج المذہب فی معرفۃ أعیان علماء المذہب، ص ۲۸۱ ؛اعلام ۱۰۶/۷]

[۲۳] ابن العربی. احکام القرآن. ط: ۱۹۹۳ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۵/ ۴۴۴

[۲۴] روح المعانی، ۱۷/ ۲۱۰

[۲۵] القرآن الکریم، سورۃ المائدہ، ۵: ۶

[۲۶] ابن عاشور: پورا نام محمد طاہر بن عاشور مالکی فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ نے مختلف علمی اسفار کیے اور تیونس کے جامعہ الزیتونیہ میں بطور مدیر فرائض سرانجام دیے۔ آپ کی علمی آثار میں سے مقاصد الشریعہ الاسلامیہ، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام اور تفسیر التحریر والتنویر مشہور ہیں۔[الاعلام، ۴/ ۱۷۴]

[۲۷] ابن طاہر العاشور. تفسیر التحریر والتنویر المعروف بتفسیر العاشور. ط: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۷/ ۳۴۹

[۲۸] شاطبی، الموافقات ۲/ ۲۷۲

[۲۹] محمد بن مکرم بن منظور. لسان العرب. ط: ۱۹۷۸ء، دار الصادر، بیروت، لبنان، مادہ حرج

[۳۰] شاطبی: آپ کا پورا نام ابراہیم بن موسی بن محمد، اور کنیت ابو اسحاق، غرناطہ سے تعلق کی بنا پر غرناطی کہلائے۔ آپ مالکی فقہاء میں سے امام محقق، اصولی، مفسر اور محدث تھے، آپ کی وفات ۷۹۰ھ کو ہوئی۔ آپ کی مشہور تصنیف الموافقات فی اصول الفقہ ہے۔[معجم تراجم اعلام الفقہاء، ص ۱۶۴؛ الاعلام، ۱/ ۷۱]

[۳۱] شاطبی. الموافقات فی اصول الفقہ. ط: ۲۰۰۳ء، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۲/ ۱۵۹

[۳۲] الموافقات، ۲ / ۱۱۹

[۳۳] ابن حمید. رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیہ. ط: ۲۰۰۶ء، دار الفکر بیروت، لبنان، ص ۴۷

[۳۴] القرآن الکریم، سورۃ التوبۃ، ۹: ۹۱

[۳۵] احکام القرآن، ۱ / ۴۰۶

[۳۶] الموافقات، ۱/ ۴۳۰

[۳۷] امینی، محمد تقی. فقہ اسلامی کا تاریخی منظر. ط: ۱۹۹۲ء، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۳۲۵

[۳۸] الموافقات، ۲/ ۲۱۳

[۳۹] فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۶۱

[۴۰] ایضاً

[۴۱] ایضاً

[۴۲] الاشباہ والنظائر، ص ۸۳

[۴۳] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۱۶

[۴۴] القرآن الکریم، سورۃ یوسف، ۱۲: ۵۳

[۴۵] الموافقات، ۱/ ۵۵۶

[۴۶] امینی، محمد تقی. شرعی احکام میں حالات وزمانہ کی رعایت. ط: اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۲۸

[۴۷] بخاری، محمد بن اسماعیل. الجامع الصحیح. تحقیق: ڈاکٹر مصطفی دیب البغاء. ط: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، حدیث نمبر ۴۷۰۷، باب تالیف القرآن، ۴/ ۱۹۱۰

[۴۸] آمدی: پورا نام علی بن ابی علی بن محمد بن سالم الثعلبی ہے جب کہ اعلام میں التغلبی ہے کنیت ابو الحسن، سیف الدین الآمدی کے نام سے مشہور ہیں۔ آمد میں پیدا ہوئے۔ بنیادی طور پر حنبلی مسلک سے تعلق تھا بعد میں مسلک شافعی کے پیروکار بنے۔ دمشق میں ۶۳۱ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کے علمی آثار میں سے الأحکام فی اصول الاحکام کافی مشہور ہیں۔ [الاعلام ۵/ ۱۵۳؛ طبقات الشافعیۃ، ۱۲۹/۵-۱۳۰]

[۴۹] الآمدی، سیف الدین. الاحکام فی اصول الاحکام. ط: دار ابن کثیر، بیروت، لبنان، ۳/ ۱۴۴

[۵۰] بیضاوی، ناصر الدین. انوار التنزیل المشہور بتفسیر البیضاوی. ط: ۱۹۷۳ء، نور محمد کتب خانہ کراچی، ص ۹۸

[۵۱] فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۶۱

[۵۲] ایضاً

[۵۳] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۸۴

[۵۴] مفتی محمد شفیع. معارف القرآن. ط: ۲۰۰۳ء، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱/ ۳۳۵

[۵۵] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۸۶

[۵۶] زمخشری، ابو القاسم محمود. تفسیر الکشاف. ط: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱/ ۳۳۲

[۵۷] ابن العربی، ۲/ ۴۹

[۵۸] معارف القرآن ۱/ ۱۷۳

[۵۹] الجوزیہ، ابن القیم. اعلام الموقعین. ط: دار الجیل، بیروت، لبنان، ۳/ ۲۶۲

[۶۰] معارف القرآن، ۱/ ۱۷۳

[۶۱] پانی پتی: ثناء اللہ یکم رجب ۱۱۴۳ھ بمطابق ۱۷۳۰ء کو ہندوستان کے شہر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمانؓ سے جا ملتا ہے۔ مشہور محدث شاہ ولی اللہ دھلوی سے حدیث نبویہ کی تعلیم حاصل کی۔ مرزا مظہر جانجاناںؒ سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت کی۔ پانی پت میں منصب قضا پر قائم رہے شاہ عبد العزیز محدث دھلوی نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب دیا۔ فقہ واصولی فقہ میں آپ مرتبہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ تفسیر وکلام وتصوف میں ید طولیٰ حاصل تھا ۱۸۱۰ء کو پانی پت میں ہی وفات پائی۔ آپ کے تصنیفات میں تفسیر مظہری، مالابد منہ، وصیت نامہ اور حرمت متعہ وغیرہ ہیں۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۶۳۴]

[۶۲] پانی پتی، قاضی ثناء اللہ. تفسیر مظہری. ط: ۱۹۹۵ء، دار الاشاعت کراچی، ۱/ ۲۶۵

[۶۳] خان، سلیم اللہ. کشف الباری شرح صحیح البخاری. ط: ۲۰۰۳ء، جامعہ فاروقیہ، کراچی ۲/ ۲۳۵؛ زحیلی، وہبۃ. ط: الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۱/ ۱۳۵

[۶۴] عثمانی، محمد تقی. انعام الباری شرح صحیح البخاری. ط: ۲۰۰۸ء، حراء پبلیکیشنز، کراچی، ۱ /۱۶۵

[۶۵] امام نووی: آپ کا پورا نام یحیی بن مری حسن النووی کنیت زکریا ہے۔ آپ کا تعلق نوی حوران جنوبی دمشق کے ایک گاؤں سے ہے اسی تعلق کی بنیاد پر نووی کہلائے۔ فقہ شافعی، حدیث اور لغت میں امام وقت تھے۔ دمشق میں ۶۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ آپ کی تصانیف میں المجموع شرح المذہب، روضۃ الطالبین، اور المنہاج شرح صحیح مسلم مشہور ہیں۔[طبقات الشافعیۃ، ۵/ ۱۶۵؛ الأعلام، ۹/ ۱۸۵]

[۶۶] کشف الباری، ۲/ ۲۳۴

[۶۷] قاضی عیاض: عیاض بن موسی بن عیاض السبتی اور کنیت ابو الفضل ہے۔ اصل میں اندلس کے رہنے والے تھے وہاں سے آپ کے آباء اجداد فاس شہر منتقل ہوئے۔ فقہی مالکی کے بہت بڑے عالم حافظ ' محدث اور فقیہ تھے۔ سبتہ میں ۵۴۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی تصنیفات میں سے التنبیہات المستنبطۃ فی شرح مشکلات المدونۃ فی فروع الفقہ المالکی، الشفاء فی حقوق المصطفی، اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم وغیرہ مشہور ہیں۔[النجوم الزاہرۃ، ۵/ ۲۸۵؛ معجم المؤلفین، ۸ /۱۶]

[۶۸] کشف الباری، ۲/ ۲۳۴

[۶۹] نیشاپوری، مسلم بن حجاج. الجامع الصحیح مسلم. تحقیق: فواؤد عبد الباقی. ط: ۲۰۰۵ء، دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان، حدیث نمبر ۲۰۳

[۷۰] القرآن الکریم، سورۃ النور، ۲۴: ۱۹

[۷۱] عثمانی، شبیر احمد. فضل الباری شرح صحیح البخاری. تحقیق: عبد الرحمن. ط: ۱۹۹۸ء، دار الکتب العلمیہ، کراچی، ۱/ ۴۲۸

[۷۲] ایضاً